مولانا عبدالستار حماد

قسط نمبر ۱۹

عصمتِ انبیاء علیہم السلام

اعتراض:

قرآنِ مقدس میں فرمانِ الٰہی ہے:

"عبس وتولّٰی ○ ان جاءہ الاعمٰی ○ وما یدریک لعلہ یزکّٰی ـــ الخ"

ان آیات سے مخالفین استدلال لیتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اپنی تحریک کے کارکن سے بے رخی کی اور جتھہ کفار کے ساتھ دل لگائے بیٹھے رہے۔ یہ ایسا جرم تھا جو اللہ کو بھی ناگوار گذرا اور دھمکی آمیز لہجہ سے خطاب کیا نیز آئندہ ایسا کرنے سے منع کر دیا۔

جواب:

ہم سابقہ صفحات میں یہ حقیقت گوش گذار کر چکے ہیں کہ مقامِ نبوت اور منصبِ رسالت اس سے کہیں بلند اور ارفع ہے کہ اس کی طرف گناہ یا معصیت کو منسوب کیا جائے۔ کیونکہ نبوت کے معنی ہی یہ ہیں کہ وہ ایک ایسی سیرت اور ایک ایسا کردار ہے جو عام انسانوں سے برتر و ممتاز ہے اور جو عصمت سے مزین اور زیورِ عفاف سے آراستہ ہے ـــ حضرات انبیاء علیہم السلام کی پوری زندگی بے داغ اور سراسر پاک ہوتی ہے۔ ان سے اگر بہ تقاضائے بشریت کسی لغزش کا صدور ہوتا ہے تو صرف دورانِ اجتہاد میں۔ کیونکہ بعض اوقات اولیٰ اور اولیٰ تر میں فرق نہیں کر پاتے لیکن اتنی سی بات بھی، ان کے مرتبہ کی بلندی اور مقام کی رفعت کے پیشِ نظر، اللہ تعالیٰ کو بمصداق "حسنات الابرار سیئات المقربین" ناگوار گذرتی ہے۔ لہٰذا اس پر تنبیہاً مطلع کر دیا جاتا ہے۔

آیات مذکورہ میں جو واقعہ بیان کیا گیا ہے وہ یوں ہے کہ قریش کی ایک جماعت آنحضرت

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے مصروفِ کلام تھی اور آپؐ پوری توجہ سے انہیں اسلام سے مانوس کر رہے تھے کہ شاید وہ مائل ہو کر حلقہ بگوش ہو جائیں۔ اسی دوران اچانک ابن ام مکتومؓ جو نابینا صحابی تھے شوق کے ساتھ آئے اور دین کے متعلق مسائل پوچھنے لگے۔ چونکہ نابینا تھے، یہ نہ دیکھ سکے کہ آپؐ ان لوگوں سے مصروفِ گفتگو ہیں، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دل میں خیال آیا کہ کہیں یہ لوگ جوشِ تنفر سے اسلام کی دعوت کو ٹھکرا نہ دیں۔ لہٰذا آپؐ نے مناسب خیال فرمایا کہ ان کو تندرے سختی کے ساتھ روک دیں اور سردارانِ قریش سے کلام برابر جاری رکھا جائے۔ شاید اس التفات و توجہ سے ان کے قلوب و اذہان میں اسلام کی محبت پیدا ہو۔ مگر اللہ تعالیٰ کو یہ بات ناگوار معلوم ہوئی۔ کیونکہ اس بات کا حقیقی علم اسی علام الغیوب علیم بذات الصدور کو ہے کہ نتائج و عواقب کے اعتبار سے کیا چیز بہتر ہے۔ یعنی ان قریش کے سرکردہ لوگوں سے بات چیت جاری رکھنا یا ایک مخلص کارکن کے ساتھ حلم و رافت سے گفتگو فرمانا۔ اس پر یہ آیات اتریں۔

دیکھ لیجئے، واقعہ کے لحاظ سے یہاں کوئی معصیت یا نافرمانی نہیں ہے بلکہ معاملہ صرف اس قدر ہے کہ نیک نیتی کے ساتھ حضورؐ ان دونوں باتوں میں کہ کون توجہ و التفات کا زیادہ مستحق ہے، قریش یا نابینا صحابی؟ صحیح اور اولیٰ فیصلہ نہیں کر پائے۔ اجتہاد کیا لیکن اللہ کی مرضی کے خلاف ہوا۔ اور مسئلہ کے ایسے پہلو کو اختیار کیا جو معقول تو تھا لیکن عند اللہ افضل نہ تھا جس پر تنبیہ کی گئی۔

یہ واقعہ بجائے خود دعویٰ نبوت کے ثبوت میں پیش کیا جا سکتا ہے کہ اتنی بڑی تنبیہ کو آنحضرتؐ نے بغیر کسی تشریحی نوٹ کے قرآنِ مقدس میں ابد تک باقی رکھا ہے اور اپنے عقیدت مندوں کو بتایا ہے کہ مجھے اس مقام پر ٹھوکر لگی ہے۔

علامہ ابن حزمؒ نے بھی اس مقام پر معترضین پر مضبوط گرفت کی ہے، فرماتے ہیں:

"پھر قرآنِ مجید کی تیسویں پارہ کی وہ آیات دیکھئے جن میں ابن ام مکتوم کا تذکرہ آتا ہے۔ ان کے متعلق ہمارا جواب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس قریش کے سربرآوردہ لوگ بیٹھے تھے۔ اور آپؐ کی خواہش یہ تھی کہ اگر یہ لوگ مسلمان ہو جائیں تو ان کی دیکھا دیکھی ان کے اسلام سے متاثر ہو کر عوام الناس بھی حلقہ بگوش اسلام ہو جائیں گے۔ اس طرح دین کا غلبہ ہوگا اس کے ساتھ ہی آپؐ کو یہ خیال بھی تھا کہ ابن ام مکتومؓ جو یہاں امورِ دین کے چند مسائل کی تحقیق و تفتیش کے لئے بیٹھے ہیں، اگر قریش کی ناگواریٔ طبع کے باوجود بیٹھے رہے تو یہ لوگ اپنے احساس

خودسری کے زعم میں اٹھ کر چلے جائیں گے۔ ایسی صورت میں ان کا چلا جانا زیادہ نقصان کا باعث ہوگا بہ نسبت ابن ام مکتومؓ کے چلے جانے کے۔ کیونکہ ابن ام مکتوم دوسرے وقت بھی آکر مسائل وغیرہ کی تحقیق کر سکتے ہیں۔ لیکن اگر قریش کے یہ لوگ اٹھ گئے تو افہام و تفہیم کا ایک موقع ہاتھ سے نکل جائے گا ظاہر ہے کہ اس مقام پر حضور علیہ السلام کی خواہش دینیت دین کے حق میں انتہائی مشفقانہ اور ہمدردانہ تھی اور دین دقرآن کو پھیلانے کے لئے آپؐ کی تگ و دو کو انتہائی اہم اور آپؐ کی جدوجہد کو عظیم الشان کہنا چاہیے۔ یہ خدا تعالیٰ کے تقرب کی انتہا ہے۔ جیسے ہمارے زمانے میں اگر کوئی انجام دے تو وہ ماجور ہوگا لیکن یہی چیز اللہ تعالیٰ کے ہاں ناپسند ٹھہری کہ ایک فاضل پرہیزگار اور نیکوکار انسان پر، خواہ وہ اندھا ہی کیوں نہ ہو، ایسے لوگوں کو ترجیح دی جائے جو خدا کے دین سے بے بہرہ اور دولتِ ایمانی سے بے نصیب ہیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے یوں خطاب فرمایا۔

تصحیح ضروری

«ارجو ان اکون معھم بحبی ایاھم وان لم اعمل بمثل اعمالھم»

(مناقب عمر بن الخطاب ص۵۲۱ بخاری)

حضرت انس بن مالک کا قول ہے۔ لیکن راقم الحروف ایک مدت سے اسے حضرت عمر بن الخطاب کا ارشاد تصور کر کے نقل کرتا آرہا ہے جس کی طرف محترم قاضی صاحب نے مانسہرہ سے توجہ دلائی ہے۔ اس لئے قارئین اصلاح فرمالیں!

قاضی صاحب کو اللہ تعالیٰ اجزائے خیر عنایت فرمائے۔ آمین!

(عزیز زبیدی)